دل چھوڑ گیا ہم کو دلبر سے توقع کیا — اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانوں کو کیا کہیئے
کیا قیدی شروع گل میں اور پر وازاول میں — نہ دی فرصت زمانے نے ہمیں دہوہیں مچانے کی
اپنے بندوں کو جلا کر داغ رکھتے ہیں یقیں — ان بتوں کی ضد سے ہو جاؤں مسلماں تو سہی
جس کو منظور ہو مرنا اسے جینا ہے عذاب — ہے دم پاک مسیحا دم شمشیر مجھے
جور و جفا میں یار بہت ہو گیا دلیر — کرتے تو کی یہ راس نہ آئی وفا مجھے

یکرنگ

یکرنگ تخلص اور نام مصطفٰے خاں ہے۔ اسی شہر کا رہنے والا ہے۔ مرزا مظہر علیہ الرحمہ کا شاگرد ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی انفرادیت میں طاق تھا اور ریاکاری کا شائبہ نہ رکھتا تھا۔ ہاں اس مبارک نام (یعنی مصطفٰے خاں) کی بھی تاثیر ہے کہ جو سرورِ عالم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی بنا پر باعث برکت ہے کہ اس نام کے مالک مردِ مومن کا دل نفاق سے دور رہتا ہے اور ناموں کی تاثیر اشخاص (مسمٰی) پر مسلم الثبوت ہے۔ اچھے لوگ ہی اچھے نام اختیار کرتے ہیں۔ اسی باعث شاید اس نے یہ تخلص اختیار کیا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

کیوں ہوتے ہو تم کہو دشمن ہمارے اس قدر
دوست کا دشمن کوئی ہوتا ہے پیارے اس قدر

روٹھتا ہوں اس سبب ہر بار میں — تا گلے تیرے لگوں اے یار میں
نگہباں چاہیئے مدہوش کے پاس — تری آنکھوں سے کیوں کر دل جدا ہو
کیا جانیئے وصال ترا ہو کسے نصیب — ہم تو ترے فراق میں اے یار مر چلے
جدائی سے تری اے صندلی رنگ — مجھے یہ زندگانی دردِ سر ہے

یوسف

یوسف تخلص اور نام میر یوسف علی خاں ہے۔ حکیم قدرت اللہ خاں عشق کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

نہیں ہے غیر کے قصّہ کی کچھ ہم کو خبر یوسف
زباں پر رات دن اس یار کا افسانہ رکھتے ہیں

خاتمہ:۔

خدا کا شکر و احسان ہے کہ خیال کی یہ خوب صورت دلہن بخیر و خوبی حاصل ہو گئی اور فکر کا یہ حساب جمال محبوب آغوش میں سمانے کے لیے آیا۔ ہوس کو عشق کی منزلِ آسان ہوئی عشق کا درجہ اس قدر بلند ہوا کہ آنکھ اس کے نظارے کی چمک سے سیر نہیں ہوتی اور دل اس خوف سے معذور ہوا جاتا ہے کہ پلکوں تلے کی نگاہ کو اپنا نقطۂ عروج حاصل نہ ہو جائے (یعنی کثرت چمک سے بصارت نہ چلی جائے) جیسا کہ عربی کی کہاوت ہے:۔ تکاد العیون تاکلھا والقلوب تشربھا کہ آنکھیں کھا جاتی ہیں اور دل پی جاتے ہیں اور اس تمام کو محض جمع کر دینے سے ہی فکر و خیال کی الجھی زلفیں نہیں سنور جاتی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں نے اس خود آرا محبوب کا اسلوب سادگی سے باندھا ہے اور یہ لائق محبت بے تکلفی کے لباس میں آیا ہے اور یہ اس میں سے نہیں ہے کہ جہاں گائیگی کا دعویدار موسیقی کی الف بے سے واقف نہ ہو، میں اگر بانسری کا خواستگار ہوتا تو زہرہ فلک سے آجاتا اور عطارد ہوش کھو دینے والی سیٹیاں بجاتا۔ لیکن دور تک دیکھنے والی نگاہ کے سامنے یہ تھا کہ یہ رنگ فارسی کے تذکرہ میں بکھر جائے اور ہر شخص ایک الگ انداز سے سامنے آئے اور بات گہرائی سے خالی نہ ہو۔ وقت کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اختصار اور سلامت روی بروئے کار آئے اور وقت کے فرمان کے سامنے سر خم ہے اور میرے لیے یہی مناسب ہے کہ

میں سطریں گویا حوروں کے رخساروں پر لکھوں (یعنی انتہائی نزاکت کے ساتھ) دونوں سمت کی ہواؤں اور پھولوں پر معطر نسیم کے مانند لکھوں اور اس کے معانی ومطالب کانوں کے لیے سامانِ لذّت ہیں جیسے نغموں کی صدا اور ساز کے تاروں کی جھنکار۔ خدا تعالیٰ کے لیے حمد وثنا ہے اور درود وسلام سید الانبیاؐ اور ان کی آل اولاد اور ان کے صحابہ پر کہ جو ہدایت کا درخشاں ستارہ ہیں اور سلام ان تمام لوگوں پر کہ جو بدعت سے کنارہ کریں اور خواہشات کی بندگی نہ اختیار کریں۔

مولف کا قطعہ تاریخ

حسرتی چوں گلشنِ بے خار نیست　　تازہ و خرم بعالم گلشنے
نغمۂ تاریخ اِتمامش سرود　　عندلیبِ فکر خرم گلشنے
۱۲۵۰

تاریخ، مومن خاں کی فکر آبدار کا نتیجہ

اس تذکرے کا جو ترجمہ ہے بھایا　　مومن کو خیالِ سالِ تاریخ آیا
مضمون کا ہجوم دیکھ کر فرمایا　　کیا گلشنِ بے خار پہ بادل چھایا

ایضاً

کیا تذکرہ شیفتہ نے لکھا　　ہے شیفتہ جس کی جانِ معنی
یوں نکتہ شناس ہیں پر ایسا　　کوئی نہیں قدر دانِ معنی
افکار بلند سے بتایا　　نُہ چرخ پر آسمانِ معنی
ہر فقرۂ نثر جانِ مضمون　　ہر شعر روانِ روانِ معنی
کیا بات ہے منتخب کی تیرے　　اے منتخب جہانِ معنی
ہر نقطۂ انتخاب تیرا　　خالِ رخِ دلبرانِ معنی
تیرے جو سخن سے ہے سرافراز　　الفاظ کا پایہ شانِ معنی

معنی ہے ثنا طراز الفاظ　　الفاظ ہیں مدح خوانِ معنی
اے تازہ بہار باغِ مضموں　　اے گلشن بے خزانِ معنی
ہے تذکرہ یا ریاض فردوس　　فردوس ہے یا جنانِ معنی
مومن نے جب اس میں دیر تک کی　　سیرِ گل و ضیمرانِ معنی
آیا ہے خیالِ سالِ اِتمام　　تھا وہ بھی تو باغبانِ معنی
غنچہ کی طرح سے سرفرد تھا　　یک چند وہ ہمزبانِ معنی
جب نغمہ سرا نہ ہو سکا وہ　　دستان زن داستانِ معنی
ہاتف نے کہا ہے اس کی تاریخ　　گلدستۂ گلستانِ معنی

قطعہ تاریخ زادہ طبع نواب فخر الدین محمد خاں المتخلص بہ خرد

چون جناب شیفتہ گلچین دہر　　گلشن بے خار را از خار رفت
مل جمع خرد تاریخ او　　نغمہائے طوطیان ہند گفت

جناب مومن خاں مومن کے گہربار قلم کی ایک تقریظ

مومن ہوس مدیح خوانی دارم　　نیسانم وجوش درفشانی دارم
از بہر نثار گوہر درج سخن　　صد لعل زکان نکتہ دانی دارم

طوطی کو شکر معانی کی لذتِ شوق سے منہ میں پانی آتا ہے تو وہ ناچار میٹھے نغمے گاتا ہے اور بلبل کو باغ کی بہار رنگینی بیانی پر آمادہ کرتی ہے اور وہ پھول سے اپنے آشیانے تک پہنچتا ہے، بلبل کو غزل سرائی چھوڑنا دشوار ہوتا ہے اور وہ اسی مستی کو یاد کرکے نالہ وفغاں کرتا اور سر کو پٹکتا ہے۔ آئینہ کے سامنے اپنا رخ معصوم اور سادہ رکھتا ہے اور شفاف عکس کو نہار کر جان نثار کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ ہے کہ شعلہ کے مانند چمکتا ہوا حسن محفل گرم کرتا ہے ایسی چکاچوند ہے کہ نگاہ گرم سے تماشا کرنے والی آنکھ کا پردہ نہیں جلتا، شمع کا حسن

دنیا کو جلا کر خاک کر دینے والا ہے۔ کیا مجال ہے کہ جگر کو جلا کر خاک کرنے والے شوق کی آگ وجود پروانہ کے شبستان میں ہزاروں مشعلیں نہ جلائے مسیحا کی سانس ہر چار طرف معجزے کرتی ہے۔ بیمار کی زبان کو ہزار آفرین ہے اور ایک محبوب خستہ تن عاشق کے سرہانے پہنچا ہے اس وجہ سے مومن کے سامنے جنت کے دروازے کھل گئے ہیں۔ شکر گزار بندے کیوں نہ آئیں گے اور بت خانے کی کنجی برہمن کے ہاتھ آگئی ہے تو ویدوں کی قرأت کرنے والی زبان کیوں نہ کھلے گی۔ طور کو جلانے والا شعلہ اپنا سایہ ڈالے ہوئے ہے خدا کے دیدار کی طلب کرنے والا موسیٰ علیہ السّلام اس کی حمد و ثنا میں سرگرم ہے اور آگ کی لہر یوں بلند ہوتی ہے جیسے گھوڑا دو ٹانگوں پر کھڑا ہو جاتا ہے جنگاریاں برسانے والی زباں کی مالک بوڑھی عورت کو نغمہ سرائی پر مجبور کیا گیا ہے کہ جو پہاڑ پر نہر کھودتے ہوئے فرہاد کے سر پر پہنچتی ہے۔ کوہ بے ستون کے پتھر فرہاد کے تیشہ کی صدا کو شکست نہ دے پائے اور صحن زنداں میں کشمیر کا گلزار چلا آیا ہے۔ دیوانے کی زبان کو زنجیر نہیں باندھ پائی اور جنت کے مقام محمود میں بیٹھ کر مناجات نہ پڑھی جائے تو کیا بُرا ہے۔ خرد کی محفل میں شرکت پا جانے والا خاموش نہیں بیٹھتا ہے۔ جہاں فرصت دینے والا ساز بجنے کو آمادہ ہوا وہی جگہ خوش گلو مطرب کے موجود ہونے کی بھی ہے اور لطف و انبساط کی محفل بھی وہیں ترتیب پا جائے گی۔ کسے ہوئے باجوں کے پردوں سے نکلتی ہوئی آوازیں جیسے شراب کی صراحی سے قلقل کی سامع نواز صدا، زنداں میں گشت کرتی ہے۔ پیمانہ چھلکتا ہے مگر بکھرتا نہیں اور ارغنوں کی آواز آسمان سے آتی ہے۔ جاں گداز سانسیں دل کو پسند آتی ہیں۔ خوشبو میں ڈوبی ہو مشام جان کو تازہ کرتی ہے۔ یہ سب جب ہوتا ہے تو فوری پہنچتا ہے اور نسیم بہار مشام جان کو عطر عبیر بناتی ہے اور لازمی طور پر حمد باری تعالےٰ بلند ہوتی ہے۔ رباعیات :۔

این غنچہ کہ رنگ صد گلستاں دارد | بوئے چو نسیم باغ رضواں دارد
بشگفتہ دماغ باغ دہا شگفاند | لب بستن قاہ قاہ امکاں دارد
ہر زمزمہ بر اصل طرب میریزد | ہر نقش بر آہنگ عجب میریزد
ایں نغمہ دلکشا زبانِ کہ سرود | بیخواستہ احسنت زلب میریزد

شاعروں کو خوش خبری ہے کہ معنی نواز شیفتہ نے سخن شناسی کا حق ادا کر دیا اور سخن شناسوں کو مژدہ ہو کہ شاعری پر نالہ و شکایت بلند کرنے والی عام طبائع کا اس میں آدھا بھی نہیں ہے۔ نکتہ دانی نزع کے عالم میں تھی کہ اس معجز نما عیسیٰ نفس شخص کے ہاتھوں اس نے دوسری زندگی پائی ہے اور بے سُرے پن کا سُر آسمان تک جا لگا تھا کہ اچانک گویا پردۂ عدم سے پھر لحنِ داؤدی بلند ہوا اور نغمہ سرا ہوا ہے۔ سخن شناسی میں بے تمیزی کا وجود مٹ گیا ہے۔ نارسائی حرف غلط کے مانند ناپید ہوئی ہے۔ اب تحصیل علم کے لیے سفر چین کی ہرگز حاجت نہیں ہے اور ٹیڑھی نظر رکھنے والے لوگ عیب بینی کے جہاں سے گزرنے پر ماتم سیاہ پوش ہیں اگر ناہید کی زبان ہے تو وہ محض اس کی پرواز کی مدح سرائی کے علاوہ زبان نہیں کھولتا ہے۔ اگر خورشید اپنے پنجہ کو جنبش دے گا تب بھی اس کی دلکش تحریر پر انگلی نہ رکھ پائے گا۔

رباعی :۔

آن شیفتہ کز خرد گرامی باشد | سر خیل سخن وران نامی باشد
اکنون کہ حسد نما ندا لا لعدم | محسود ثنائی و نظامی باشد

ایک نظم کہ جو اچھی تھی خوب پسند آئی اور ایک شعر کہ جو انتخاب کیا گیا تھا منتخب ثابت ہوا اور ایک غزل کہ جو لکھی گئی تھی کسی چاقو چھری کی مدد کے بغیر صفحۂ دل سے از خود مٹ گئی اور ایک شعر کہ جو بڑانے کے علاوہ زبان پر کبھی نہیں آیا ع

زہی انتخاب و زہی منتخب

بے کار نئے کو چھوڑنا بھی بے کار لوگوں کا کام ہے۔ اچھے کو قبول اور دل نشین کرنا بات پہچاننے والے کو بہت پسند آتا ہے اور اگر کوئی بات پہچاننے والا نہیں ہے بلکہ چھوٹی چھوٹی باتیں چن نے والا یا نکتہ چین طبیعت کا ہے تو سمجھ لو کہ وہ شخص علم کی بلندی سے ناواقف ہے اور کسی شئی کے فہم و ادراک سے نابلد ہے اس کی دانش ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آنا مشکل ہے اور قوت گویائی اس کے اوصاف بیان کرنے سے مجبور ہے۔ اس کی شان میں سخن سنجی کی آیت نازل ہوئی اور اس کی برابری کی بات مشرکین کے مذہب میں بھی غلط قرار پائی ہے۔ اس کے دلکش اشعار نے خود سخندانی کے تن کو بھر دیا ہے اور اس کے بے مثال معانی کے دفتر نے معانی کا بے مثال جہان بنا دیا ہے اور اس کے گہرے اور عمیق غور و فکر کے دائرے نے خود کردہ آسمان پر جز ولا یتجزی دائرہ بنا دیا ہے اور اس کی فکر اپنی پستی میں بھی ستاروں کی بلندی کو چھوتی ہے اور اس کی دلکش نثر جب حرکت میں آتی ہے تو رقاص فلک عطارد نبات النعش سے نکل کر بھاگ جاتا ہے اور اس کی نظم کی بلندی فلک نشین ثریا کو شرماتی ہے۔ اس کی کتاب میں جو بھی سطر ہے وہ کہکشاں کو ماند کرتی ہے اور اس کے اشعار کی موزونی ایسی لاجواب ہے کہ جو دیگر شعرا کے حوصلہ شعر گوئی کو ختم کرنے والی ہے۔ رباعی۔

خورشید ز رشک رائی تابانش سوخت　　مہ از حد فروغ او جانش سوخت

از بہر خمیر انجم افلاک سپند　　بر نثر کتاب و نظم دیوانش سوخت

اس کو جہان آباد کا باشندہ ہونے کی سعادت حاصل ہے لیکن وہ اس بات کو اپنے لیے ناز کا سرمایہ نہیں شمار کرتا ہے کیونکہ خوبی اور کمال کو اصفاہان سے نسبت ہوتی ہے اور کلیم اس سے انکار کر دے کہ اس نے ہمدان میں پرورش پائی تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کا چپہ چپہ نقش و نگار رکھتا ہے۔ اس کے ویرانے بھی آباد ہیں۔ یہ شہر کچھ اس طرح کا ہے کہ اس کے ہر کھنڈر کی خاک کو دالوند کے

زرہ کی مماثل ہے اور اس کی لطافت ایسی پُربہار ہے کہ جیسے مصلی کے جیسے چمنستان اس کے آگے سجدہ گذار ہو اور رکنا باد کا دریا اس کی نہر فیض کے آگے رشک سے رنجور ہو کر آنسو بہاتا ہے۔ از راہ مہربانی اس نے ریختہ کے شاعروں کا حال بیان فرمایا ہے اور ان کے اشعار میں سے اکّا دکّا بطور نمونہ فراہم کر دیا ہے۔

فارسی شعرا نے شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہندی میں نالہ و فریاد کا طریقہ ایجاد کیا اور عربی زبان والوں نے اس نالہ و فریاد کے بے کس اور بے اعتبار طریقہ کو اس درجہ ہندی شاعری میں رواج دے کر استناد بخشا ہے کہ اس میں عربی اور فارسی کے الفاظ شاذ و نادر آتے ہیں۔ آج عالم یہ ہے کہ دیسی محاورے خود ستائی کی بنا پر فصاحت کے حامل سمجھے جانے لگے۔ عبدالوسع (ہانسوی) اور ولی (اورنگ آبادی) کا کوہ و صحرا میں ڈنکا بجنے لگا۔ خسرو کو نظامی پر ترجیح دینا بھی عجیب نہیں لگتا اور جمالی کو جامی سے بے سبب بڑھایا جاتا ہے۔ سودا کی شاگردی نے اس درجہ اعتبار پایا ہے کہ اخطل و اعشی (عربی نامور شعرا) کو کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہے۔ وہ میر کی معجز نوائی گرہ کھولنے والا ہے۔ اس کا انتخاب شعری معصوموں کی پیشانی پر بل لانے والا ہے اور کم سن و کم سمجھ ارباب اس کے انتخاب پر اپنی شکلیں بگاڑ لیں گے۔ اس کی طبع روانی اس کی تصنیف کو تالیف بناتی ہے اور اسکی باریک فکر اس کی تالیف کو تصنیف کا درجہ عطا کرتی ہے۔ اگرچہ وہ دوسروں پر تبصرہ کرتا ہے مگر وہ خود اس پر بھی تبصرہ ہے کیونکہ وہ غیر معمولی مضامین کا موجد ہے اور نئے نئے معانی کا پیدا کرنے والا ہے۔

ندیدم چنین شاعری نکتہ سنج　　کہ ریزد ز کلکش گہر گنج گنج

بدقت اگر موشگافی کند　　زموئی میان شعر بافی کند

قلم ران بملک سخن گستری　　ز آوازہ دارد جہان داوری

اگر سرو را مصرعی بستہ است　　　زشادی خوش از جائے برجستہ است
طلاقت شکر خند تقریر او　　　عذوبت زبان بند تحریر او
شرف داد خود را بہ میزانِ شعر　　　چہ کرسی نشین است از و شانِ شعر
حلاوت دہ ذوق شوریدگان　　　پسندش پسند پسندیدگان
ترا و د اگر از لبش آفرین　　　دمد جان دران شعر روح الامین
چو نظم ثریا کند انتخاب　　　شود نقطہ از کاستن آفتاب
بہ نطقِ گدائے چو جنبد سرش　　　ز سلطان برد شاہ بیت افسرش
اگر مصرع زلف پیچان شکست　　　ز فہم درستش نگیرد بدست
سند تا ز طبعش نیارد بہار　　　شگفتن ز گلہاست بی اعتبار
نگاری کہ در کف حنا بستہ است　　　ز مضمون رنگینش حجت بدست
چو رائے منیرش نداند صواب　　　افق خط کشد مطلع آفتاب
ز تحسینِ او حسن معنی نباز　　　ہزار آفرین بر چنین امتیاز

سبحان اللہ کیا کتاب ہے کہ محبوبوں کے مکتوب سے زیادہ دل لبھانے والی ہے اور (ساتھ ہی) اس مکتوب کا عتاب گریہ گزاروں کی برداشت سے زیادہ کا ہے۔ اس کی سیاہی (روشنائی) مہ رخوں کے وصال کی شب سے وہی نسبت رکھتی ہے کہ جو ہلال ابرو کو ناخن کے ساتھ ہے اور اس کی کتاب (یا کتاب کی سپیدی) سپیدۂ صبح پر خورشید چہرہ زہرہ جبینوں کے گلے کی سپیدی کے مانند ہنستی ہے اور حیرت و یاس کے مارے اپنی نگاہوں کے سامنے اسے رکھ کر فیض دیدار اٹھاتے ہیں۔ محبوب سے ہم آغوشی کی آرزو رکھنے والوں کے لیے یہ معجزہ کا حکم رکھتی ہے کہ جو مردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا سکتی ہے اور اس (کتاب) کے زندگی بخش الفاظ جبریل علیہ السلام کے لائے ہوئے ان لفظوں سے کم نہیں ہیں کہ جو عیسیٰ علیہ السلام کے لبوں پر آکر مُردہ تن میں جان ڈالتے تھے اور اس کا ہر صفحہ مضمون کی رنگینی کے باعث

(خوب صورت روغنی) تصویر کا صفحہ ہے۔ اس (کتاب) کا ہر ورق معنی کی شگفتگی و تازگی سے کشمیر کے چمن زاروں میں شگفتہ پھول کی پتی کے مانند ہے۔ فراق کے عالم میں ایوبؑ کی بیقراری مشہور ہے اور یعقوبؑ کی آنکھیں شوق و اشتیاق زیادہ ہونے سے ترچھی ہو گئی تھی۔

خوش گفتار واعظ اپنے وعظ میں جنّت اور حورانِ جنّت کے تذکرے کو حرام کر دے اور ایک مکاری کا عادی عبادت گزار اپنی عبادت میں مکاری کا جزو شامل کر دے اور پھر اس کو ذہن سے محو بھی کر دے۔ وہ آنکھ کہ جو دیکھتی ہے روشن آنکھ ہے، وہ کان کہ جو سنتا ہے (یقیناً سننے والا کان ہے، کوشش کرنے پر لعنت زدہ خردمندوں میں شامل ہو جاتا ہے اور طعنہ بازی کرنا گویا اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ اس کی تحسین کو اعتبار کی سند حاصل ہے کیونکہ اس کے پاس ناممکن کو دیکھنے والی عقل ہے (یعنی دوسروں کے پاس اعتبار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے) اس کی نفرت دراصل فطرت کی پستی اور کمال کے نقص کے ادراک کا نتیجہ ہے (یعنی ذاتیات سے بالا ہے) کسی کا مضمون اگر دوسرے کے پلّے نہ پڑے تو یہ نہ سمجھو کہ اس مضمون میں کچھ نہ تھا بلکہ شاید اس بلندی تک اس کی رسائی نہ ہو پائی۔ داصل یہ ہے کہ ستائش سراسر انصاف ہے اور جہالت کی زائدہ کاوش سے تحریر میں کیڑے ڈالے جاتے ہیں اور یہ بے ہودہ بات ہے اور عیب دیکھنا کورا اندھاپن ہے۔ ۵

از نالہ ماتمی ملک غم نکند　　　نفرینِ کسان قدر فلک کم نکند
رد کردہ خالق و خلایق باشد　　　ابلیس اگر سجدہ بر آدم نکند
کوری کہ گرفت خوردہ بر مہر منیر　　　بگزار کہ چشم او ندارد تنویر
گر کحل کسی ہمہ جواہر دارست　　　بینا نشوند دیدہ ہائے تصویر

۵ حالانکہ حضرت ایوبؑ اپنے صبر کے لیے مشہور ہیں ـــــ ح۔خ

میں اسکا ہمزبان ہونے پر ناز کرتا ہوں اور اس کی قدر دانی کی بدولت میں دولت سے بے نیاز ہوگیا ہوں۔ ہر ایک در میں جو میں نے سوراخ کیا ہے (یعنی دست طلب بڑھایا ہے) تو اس نے احسان اور نیکی کے سینکڑوں موتی نثار کر دیئے ہیں اور میرے منہ سے نکلی ہر ایک بات پر وہ اپنے لب پر ہزار آفرین لے آیا ہے۔ شیریں بیانی کی لذت سے جب تک لب شکریں نہ ہوجائیں تو معنی کا کیا مزہ اور (کیا عجیب بات ہے کہ) شعلہ برسانے والے دل کا گرم خون دہکتے رخسار والوں کی صحبت سے ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ کیا دل آتش بیانی کی گرمی میں لپیٹ کر بھی اس کے درجہ تک پہنچ پائے گا کہ خود ستائی کو اگر سنت شعرا میں نہ شمار کرسکا تو انصاف کی زبان سے میں اس کی تعریف بیان نہ کرسکوں گا اور اگر میں بدظن جاہلوں کی بدگمانی سے آگاہ نہ ہوتا تو میں بھی دیگر لوگوں کے ساتھ ستائش کے جال میں پھنس جاتا۔ بلاشبہ شائستگی کی بنا پر میں نہیں لکھ رہا ہوں کیونکہ نااہل احمقوں کا خوف مجھے دامن گیر ہے۔ بے زبانی کے باعث تو خطا کی معذرت سے واقف نہیں ہے اور معذرت میں خموش رہ کر تو طول طویل مدح خوانی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:۔

تفصیل راستم کش ایجاز می کنم
یک حرف می نویسیم وصد نار میکنم

اختصار کا خوف (بیجا) اس درجہ دامن گیر ہے کہ دل کو پسند آنے والی دعا کو ہی کہیں بھلا نہ بیٹھوں۔ اول یہ ہے کہ عاجزی اور انکساری سے سخن پیدا کرنے والے خالق کی بارگاہ میں اثر پذیر شور آسمان وزمین کے درمیان بلند کرتا ہوں تاکہ زندگی کو تقویت دینے والا حرف زبانوں پر جاری ہو اور دل کو پسند آنے والی اس کی بات اور اس کا ذکر خیر بلند ہو تاکہ اس میں دل کو پسند آنے والے مطالب و معانی تذکرہ میں آئیں اور

اس کا کلام زبانوں پر وظیفہ ہوجائے اور اس کا نام نامی ان اشعار کی شہرت سے زمانہ بھر میں مشہور ہو۔

ابیات

شیفتہ آں ساحر معجز بیاں	کز دمش اعجاز و افسوں ہمزباں
دست او را در نگاہ نکتہ بیں	صد ید بیضا بود در آستیں
گفت نظمش را ملک سحر حلال	لاف سحر سامری شد خاک مال
ناز ہائش دل پسند شاعری	نے رگ گردن کند شاعری
نالۂ عاشق چہ آید در شمار	طبع او موزوں تر است از قد یار
برگزیدہ نیندی از اشعارہا	حرف دلکش چیدہ از گفتار ہا
لختی از تعریف شاعر ہم نوشت	دیگری با ایں صفتہا کم نوشت
بر بہار نظم رنگ تازہ بست	نے سخن اوراق گل شیرازہ بست
نغمہ ہائے گلفشاں تا برکشید	تیغ رشک او سحر بلبل برید
از پی تاریخ سال ایں کتاب	ہر سخنور مصرعی کردی حساب
گفت مومن نکتہ پرواز اجل	انتخاب دل پسند بے بدل
بسکہ با یکتایش افتاد کار	نیست از اعداد ثانی در شمار

ایک تقریظ جسے مولانا محمد صدر الدین خاں بہادر المتخلص بہ آزردہ نے اس تذکرہ پر رقم فرمایا ہے:۔

خداوند تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ معانی کا وفور از خود نگاہ کی غوطہ خوری کے بغیر، فکر کے دریا سے سخن کے بہترین موتی نکال کر بیان کے ساحل پر بکھیرتا جاتا ہے اور آفرین ہے۔ رنگین مضامین کی بھرمار پر کہ جو طبع کے بادلوں سے آبیاری حاصل کیے بغیر ہی خیال کے ویران دشت سے فکر کے گھنے درختوں پر از خود نمودار ہونے کو بے تاب ہوتے ہیں اور الفاظ کی دوشیزاؤں کے گیسو فکر کے ہاتھوں سنورنے سے بے نیاز ہیں (یعنی دلکش الفاظ از خود آتے ہیں)

اور معانی کی حسیناؤں کو بغل گیری کے جوش بے حد نے جی بھر کر بھینچا اور سجایا ہے اصل یہ ہے کہ دل معانی و مطالب کی رنگینی و بوقلمونی سے نگارخانہ چین کا نمونہ ہے اور طبع مظامین کی شگفتگی و تازگی سے جنت الفردوس کو مات کرتی ہے۔ شعر ایک کے بعد دوسرا سلسلہ در سلسلہ مطالب کے گروہ سے نکل کر از خود آتا ہے۔

یہ قیاس جھوٹ ہے کہ اس کے جیسا اسلوب و انداز ستائش دیگر توصیف نگاروں کے گروہ کے سر میں بھی ہوگا کیونکہ کائنات کی دلہن کو سجانے سنوارنے والے نے ستاروں اور ساتوں سیاروں کے موتی جڑے جھمکوں اور سامان آرائش سے زیب و زینت بخشی ہے۔ کوئی بھی کتاب اس کتاب کے جیسی حسن و ترتیب کے ساتھ آج تک معرض تالیف میں نہیں آئی۔ اس کتاب کی مثال یہ ہے کہ گویا قدرت کے نقش طراز نے امکان کی کتاب کے صفحات کو بعض تصاویر کے انوکھے نقش و نگار سے سجایا ہے۔ اس کتاب میں بنائے گئے نقش سے بہتر نقش تو خود ہستی کی لوح پر بھی نہیں ہیں۔ اس چمن کی بہار ہمیشہ قایم رہنے والی ہے کیونکہ ہندی شاعری اور فارسی نثر کی مٹھاس اور نمکینی کو برابر سے چھڑک کر نمک اور فارسی قند کو باہم ملایا گیا ہے تاکہ جوہرین دھاگے میں معانی کے موتی پرو دیئے جائیں۔ زمانے کی رفتار نے عنان دریا کے مانند کساد بازاری کے غبار میں اپنا منہ چھپا لیا ہے گناہوں کے گلوبند زریں دھاگوں اور موتیوں کے ہاروں کے مانند ٹوٹ کر بکھر گئے ہیں۔ زمانہ کے انگور سے ٹپکا ہوا کسیلا عرق زبانوں پر تلخی سے بھی بڑھ کر تلخ ذائقہ دے رہا ہے۔ جنگلی پھولوں کا ڈھیر اور بادشاہی دولت کا خزانہ برابر ہو گئے ہیں۔ خزاں رسیدہ افکار، عدن کے گم گشتہ خزانہ اور معدن کے گم نام دفینوں جیسے درم ماہی کے مانند گھٹیا ہو گئے ہیں۔ لالے کے پھولوں کی سرخی محض آگ کا ڈھونگ ہی ہے۔ والہ داغستانی کا دل منوں مٹی کے ڈھیر کے نیچے حسرت کے داغوں سے جلنا بند ہو گیا

ہے کشتی موتی کو دریا میں واپس لائی ہے۔ آذر کے آتش کدہ کو لالے کے داغ کے مانند خاک میں ملا دیا کم سن لڑکوں کی تمام تر خور کشتی پچھتاوے کے پانیوں کے بھنور میں ہے اور موسیٰ کی کتاب میں بھی اگر ناکارہ بچوں کی مشق کو اکٹھا کر دیا جائے تو وہ بھی ایسی نہ ہوتی کہ اس کو فراہم کر کے لایا جاتا معنی و مطالب کے پھیلانے والے شعرا کا یہ تاج، کمال اور ہنر رکھنے والوں میں انتخاب، غزل کا بہترین شعر، لیاقت و صلاحیت کا سفینہ، قصیدے کی عمدہ ترین بیت، فضیلتوں اور خداداد ہنر مندی کا حامل، قرآن مجید میں سورۂ فاتحہ کا درجہ رکھنے والا، دولت و اقبال کا مالک، تمام خوبیوں اور نیک خصلتوں سے بھرا رموز و اسرار سے بھرا خوان، خداوند تعالےٰ کے نازل کردہ فیوض میں کتاب کو اختیار کرنے والا، سخن طرازی کے گلشن کی ٹھنڈی جاں بخش ہوا، نکتہ پردازی کے چمن کے پھولوں کی خوشبو کو آزاد کرنے والی معطر ہوا، اعلیٰ فطرت، بلند ہمت، پاک نہاد، نیک روشن، فرشتہ صفت، برگزیدہ شخصیت، پاکیزہ طینت، روشن ضمیر تہذیب کے سانچہ میں ڈھلا ہوا، عدیم النظیر، فہم مجسم، ادراک مشکل نواب مصطفےٰ خاں بہادر متخلص بہ شیفتہ ہے۔ معروف شعرا میں اس کی شاعری کا پایہ بلند ہے، نکتہ پردازوں کے گروہ میں جب تک اس کو شامل نہ کر لیا جائے تو وہ تمام پھول گلدستہ کی صورت میں اختیار کرتے اور خوب صورت مکان کے طاق کی زینت نہیں بنتے اور موتی جب تک دھاگے میں نہیں پروئے جاتے وہ شفاف بانہوں اور گوری گردن پر جگہ حاصل نہیں کر پاتے۔ شاعری کی جانچ پرکھ کو اس پارکھ کے ذہن کی پرکھ درکار ہے اور غور طلب بات یہ ہے کہ سونے کو جب تک کسوٹی پر نہ پرکھا جائے اس کی پوری پرکھ ہرگز پتہ نہ چلے گی اور کھرے سونے کو بھی جب تک سانچے میں رکھ کر ڈھالا نہ جائے سکّہ کا نقش ٹھیک سے نہیں بیٹھتا (یعنی بازار میں چلنے لائق نہیں بنتا) اس کے انتخاب کا نقطہ گویا اشعار کی دلہنوں کے رخسار کا تل ہے (یعنی انتخاب سے شعر سنور جاتا ہے) اور

اس کے خوشبو بردار دستخط زبان ہندی کے محبوب نما چمکدار اشعار کے ابروں کا رنگ و روغن ہیں اپنے اشعار کی دولت سے وہ آفتاب عالمتاب کی بلندی پر نظر آتا ہے۔ وہ عرب کے ساتھ طول کلامی پر قدرت رکھتا ہے۔ افغان کو یہاں اپنے ملک کی زبان نظر آئے گی۔ سربلندی کے لحاظ سے وہ ہندی زبان کے خیمہ کی رسّی کو ساتویں آسمان تک باندھنے کو لے گیا ہے۔ انتظام کے لحاظ سے وہ اردو زبان کی بلندیوں کا منتظم ہے۔

فلک کی بلندی کو چھونے والا ہے ہر وہ شعر جو اس کے انتخاب میں نہیں آیا ہے اس کی حیثیت مشکوک ہے اور جس شعر کو اس کی نگاہ انتخاب نے چُن لیا ہے وہ گویا سونے کا بن گیا ہے اور اس کی حیثیت غیر مشکوک۔ ظہوری اور عرفی کو زمانہ کا شعور نہیں تھا ورنہ فن شاعری کے نادرات کے اس تذکرے میں اپنے اشعار درج کرانے کی آرزو رکھتے، ہندی زبان سیکھتے بھلے ہی یہ بات لوگوں کو ہنساتی کہ دیکھو یہ بچّے بن رہے ہیں۔ اس کا قلم ہر امتحان سے کامیاب گزر جانے والا ہے اس کی تحریر میں کوئی داغ ہے تو ایسا کہ خوشبودار رخسار پر تل (یعنی تحریر کی خوبی کو بڑھانے والا) کہ جو خوشبو میں لپٹا ہوا ہے اور جس کے سیل سے رخسار کے بنفشئی خط سیراب ہوتے ہیں اس کے کاغذ کے صفحہ کی اٹھان دو دوحشت کے مانند گھماؤ دار ہے کہ جو حسینوں کی پیشانی کو مانند کرتی ہے۔ اور اس کتاب کی چمک بہترین موتی کی چمک کو مات دیتی ہے۔ اس کے قلم کی تیزی جادو کرنے والی اور سحر تحریر کرنے والی ہے گویا سرمہ لگی سیاہ مژگان خنجر کی سی آب دکھائے۔ اس کی سیاہ معطر پینسل کسی حسن خیز شہر کی دلہنوں کی ابرو کی نسل سے ہے۔ اس کے قلم بنانے میں پیدا شدہ برادہ تاتاری مشک و عنبر کے ریزوں کا ہم قیمت ہے۔ اس کے نامہ کے دامن کی گرد، فصل بہار کے پھولوں کے ملبوس کا عبیر ہے۔ اس کے گفتار کی نمکینی کا غلغلہ حاسدوں کی آنکھوں میں (چبھنے والے) نمک کے ڈھیر لگاتا ہے۔ اس کے

دل میں اتر جانے والے نکتوں کی شہرت نے حرف گیری کرنے والوں کے منہ بند کر دیئے ہیں۔ ریختہ کہ جو اس کے سلاست نگار قلم سے برستا ہے گویا زمین پر چشمہ سلسبیل سے بڑھ کر ہے۔

اس کے رنگین اشعار سن کر اور اشعار کے ذکر پر پرندیمانی گوہر نثار کرتا ہے۔ اس کی زبان میں گوہر بار ابر نیساں کی تاثیر ہے۔ ماہ نو حالانکہ نیلگوں شام سے اپنی ابرو کو رنگتا ہے مگر اس کے مصرع بلند شجر کی سرسبزی کو نہیں پہنچ پاتا۔ صبح کی سپیدی اگرچہ شفق سے سرخی منقار لے کر اپنے چہرے پر ملتی ہے لیکن اس کی رنگین کتاب کے رخ کی سرخروئی کو اپنے چہرے میں نہیں پاتی۔ اشعار کی کتاب میں اس کی فصیح نثر نے داخل ہو کر ایک ایسی تکمیل کو جنم دے دیا ہے کہ وہ باقی تمام سے نیاز بن گئی ہے۔ اس کے مسودات سے رونق و گرم بازاری ہے۔ اس کے جادو کے سامنے سامری کا جادو بچوں کا کھیل ہے اس کی کرشمہ سازی کے مقابل مسیحا کا معجزہ کچھ نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی باغ کی سی فطرت رکھنے والا اپنے شگفتہ قلم سے انشا لکھے۔

ہندوستان کے خوش نصیب شعرا، اس کے التفات و مہربانی کے عکس سے صبح بہار کے ستارے کے مانند روشن ہیں اور ہندوستانی غزلیات کی تیرہ و تار زمین کو اس کی فکر سیراب کرتی ہے اور ایک باغ پیدا کر کے اس کی فضا میں خوشبو بکھیرتی ہے۔ اس کے دیوان کو سینہ سے لگانے پر یہ اعجاز ہوتا ہے کہ آدمی اس کی حفاظت کے گھیرے میں آجاتا ہے۔ اس کے اشعار سے موتی بکھرتے ہوئے معانی نکلتے ہیں اور لوحِ دل پر اس کے رنگین خیالات نقش و نگار بنا دیتے ہیں کہ جو مانند نقوش آسمانی کے ہوتے ہیں۔ اس کی رنگین نثر کا نظارہ نگاہ کے لیے عقیق یمنی کا نظارہ ہے۔ اس کے دیوان میں آفتاب پنہاں ہے جس کی ورق گردانی کرنے والی انگشت وادی یمن کے درخت کے مانند ہو جاتی ہے۔ طبع وہ کہ جو ابر نیساں کے

مانند موتیوں کی بارش کرے۔ مزاج وہ کہ جو بہار کی عطر بیز ہوا کے مانند ہے اس کا دل شفاف دھرتی ہے جو آفتاب سا چمکتا ہے۔ اس کا مزاج دولت لُنڈھانے والا ہے۔ ضمیر کی روشنی طور کے جلوے کو شرماتی ہے۔ اس کا خیال درحقیقت خیال نما چہرہ سے زیادہ روشن ہے۔ اس کی فکر میں آسمان کی روشنی ہے اور وہ بیک وقت عرش سحا بھی ہے۔ اس کی نگاہ باشندگان جنّت کی نگاہ سے بڑھ کر پاک و مطہر ہے۔ اس کی عقل و خرد روحانیت پسندوں کی روح افزائی کا باعث ہے۔ اس کی فطرت آبِ کوثر کو پانی پانی کرنے والی ہے۔ اس کی تقریر صاف شفاف ہے۔ یوں سمجھئے کہ اس کے یہاں فطرت کی بلندی، فکر کی تیزی، نگاہ کی گہرائی، فراست کی بلندی، طبع کی مشکل پسندی، فکر کی باریکی، خیال کی نزاکت، مزاج کی شفافی، نگاہ کی لطافت، نظر کی پاکیزگی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ وہ رنگ برنگے کارخانے کی ایک خاص الخاص منفرد ہستی ہے۔ اس کے یہاں معانی کی تازگی، الفاظ کی طراوت، بھرپور ادائیگی، انداز دل تک راہ بنانے والا، پرناز کی رنگینی، ترتیب کی لطافت، اسلوب کی خوش قامتی، آگے نکل جانے والا کلام، نئی طرز، عبارتوں کی چاشنی، استعارات کی نمکینی، جانے پہچانے الفاظ، غیر متعارف معانی پائے جاتے ہیں۔ ان تمام خصوصیات سے وہ بھرا پڑا ہے رنگ رنگ کے خیالات اور مقامات اس میں جمع ہیں اور اس طرح کہ اس کے دریا جیسے قلم سے تحریر سیراب ہوتی ہے۔ صفحہ کاغذ پر اس کا جادو نگار معنی طراز قلم خطوط و نقوش کی ایسی ہریالی ثبت کرتا ہے کہ وہ صفحہ جنت الفردوس کو شرماتا ہے۔ معانی و مطالب کے اس چمن کا نظارہ کرنے والے اس نسخۂ بہشت کی باقاعدگی اور طور کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔